ماریہ امجد
پی ایچ ڈی، سکالر (اردو)
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

منٹو، عسکری اور ترقی پسندی: تنقیدی جائزہ

Abstract:
Saadat Hasan Manto is famous writer whose art is recognized by everyone today, but he faced various controversies in his life one of which is the debate of being progressive or regressive.

Manto proved his uniqueness and progressiveness by his literary work, but the progressive writers' movement labelled him "A Reactionary". Progressive writers passed a resolution to boycott Manto. There is a mentionable role of Hassan Askari in this decision;Hassan Askari is renowned for criticism more than fiction writing and his work and efforts to introduce "Pakistani Literature" is unforgettable.

This study examines the situation of literary conflict raised in result of Manto and Hassan Askari's friendship and reaction of progressive writers. It discusses the major events to understand this situation that are; Askari's appreciation for Manto's short story "بابو گوپی ناتھ" , preface of "سیاہ خاشیے" written by Hassan Askari and Publication of literary magazine "اردو ادب". This literary conflict reveals the narrow-mindedness and extremism of progressive writers and also revels the aim of movement at that time which were more political than literary. Study reveals that a writer's progressiveness does not depend on belonging to a movement.

Key Word: Manto , Hassan askari , Progressive writer' movement , regressive, reactionary,

سعادت حسن منٹو (۱۹۱۲ء۔۱۹۵۵ء) ایک ایسے ادیب ہیں جنھوں نے اپنی انفرادیت اور ترقی پسندی کو اپنے تخلیق کردہ ادب سے ثابت کیا۔ ترقی پسندوں نے منٹو کو رجعت پسند قرار دیتے ہوئے ایک قرارداد میں بائیکاٹ کر دیا۔ اس فیصلے میں حسن عسکری (۱۹۱۹ء۔۱۹۷۸ء) کا کردار قابل ذکر ہے۔ حسن عسکری نے افسانہ

نگاری سے زیادہ تنقید میں اپنا مقام پیدا کیا اور پاکستانی ادب کی الگ شناخت بنانے کی کوشش کی جو تحریک کی صورت اختیار کر گئی۔ منٹو اور حسن عسکری کے اشتراک پر ترقی پسندوں نے شدید ردِ عمل کا اظہار کیوں کیا؟ اس مقالے میں تین اہم واقعات؛ حسن عسکری کا منٹو کے افسانے بابو گوپی ناتھ کی تعریف کرنے، منٹو کی کتاب "سیاہ خاشیے" پر حسن عسکری کا دیباچہ لکھنے اور باہمی اشتراک پر "اردو ادب" شائع کرنے کے تناظر میں اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ادبی تنازعہ ترقی پسندوں کی تنگ نظری اور انتہا پسندی کے ساتھ تحریک کے ادبی سے زیادہ سیاسی مقاصد کو آشکار کرتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ کسی ادیب کی ترقی پسندی کا انحصار کسی تحریک سے وابسطہ ہونے میں نہیں ہے۔

سعادت حسن منٹو ایسے افسانہ نگار ہیں جن کے فن کا آج ہر کوئی معترف ہے لیکن اپنی زندگی میں انھوں نے مختلف تنازعات کا سامنا کیا جن میں سے ایک ترقی پسند یا رجعت پسند ہونے کی بحث رہی ہے۔ فتح محمد ملک (پ: ۱۹۹۶ء) نے اس معاملے میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

> "پاکستانی ادب کی سب سے بڑی ستم ظریفی سعادت حسن منٹو پر رجعت پرستی کی تہمت ہے۔"[۱]

سعادت حسن منٹو نے ادبی دنیا میں بطور مترجم قدم رکھا اور روسی ادب کی دیگر اصناف کے اردو تراجم کرنے کی غرض سے روسی ادب اور روسی انقلاب کا دقیق مطالعہ کیا جس کی جھلک منٹو کے پہلے طبع زاد افسانے "تماشا" پر روسی ادب کے اثرات کی صورت نظر آتی ہے۔ اس دور کی انقلابی ذہنیت اور ترقی پسندی کو منٹو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

> "سجاد ظہیر ابھی بنّے میاں ہی تھے کہ ہم نے امرتسری ہی کو ماسکو متصور کر لیا تھا اور اسی کے گلی کوچوں میں مستبد اور جابر حکمران کا انجام دیکھنا چاہتے تھے۔"[۲]

درج بالا اقتباس میں منٹو کا سجاد ظہیر (۱۹۰۵ء۔۱۹۷۳ء) پر کیا طنز صاف ظاہر ہے جو ترقی پسند تحریک کے بانیوں اور رہنماؤں میں سے تھے۔ آغاز میں ترقی پسند مصنفین منٹو کی تصانیف کو سراہنے والوں میں سے تھے۔ کیونکہ برصغیر میں ترقی پسندی کی بنیاد؛ ادب کو زندگی کا آئینہ دار، زندگی کے مسائل کا عکاس، سماج کو بدلنے والا اور زندگی کے ارتقاء کے علمبردار کے طور پر متعارف کروانے جیسے نظریات پر رکھی گئی۔[۳] منٹو کی تحاریر بلاشبہ ادب کی تعریف پر پورا اترتی تھیں لیکن پھر ایسا کیا ہوا کہ ترقی پسند مصنفین نے منٹو کو بلاواسطہ یا بالواسطہ رجعت پسند قرار دینا شروع کر دیا اور نوبت یہاں تک آپہنچی کہ ۱۹۴۹ء میں پاکستان انجمن ترقی پسند مصنفین کانفرنس میں

قرارداد منظور ہوئی۔ جس میں منٹو کا بائیکاٹ کر کے باقاعدہ طور پر فحش نگار اور رجعت پسند قرار دے دیا گیا۔ ترقی پسند مصنفین کے اس بدلتے رویے پر حیرت کا اظہار منٹو ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"مگر یکایک خدا معلوم کیسا دورہ پڑا کہ سب ترقی پسند اس افسانے (بابو گوپی ناتھ) کی عظمت سے محرف ہو گئے"[۴]

اس بدلتے رویے کی کڑی محمد حسن عسکری سے جا کر ملتی ہے جنھیں ترقی پسند مصنفین اپنی تحریک اور اس کی انتظامی سر گرمیوں پر حملہ کرنے والا تصور کرتے ہیں۔ تقسیمِ برصغیر کے بعد ترقی پسند تحریک کے نظریات میں واضح تبدیلی آئی جس نے تحریک کو ادبی سے زیادہ سیاسی رنگ دے دیا۔ ترقی پسند تحریک کی جڑیں چونکہ ہندوستان سے جا کر ملتی تھیں اس لیے پاکستان سے وفاداری کا سوال سر اٹھانے لگا تو پاکستانی ادب کی تحریک منظرِ عام پر آئی جس کے علمبردار محمد حسن عسکری تھے۔ اس تحریک نے ادب کی تخلیق میں قومیت اور اسلامی نظریات کو لازمی قرار دیا۔ جس کے نتیجے میں ترقی پسندوں نے حسن عسکری کو رجعت پسندوں کی فہرست میں شامل کو دیا۔ منٹو اور حسن عسکری کے اشتراک کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ترقی پسندوں کے رویوں اور ردِ عمل کا جائزہ تین اہم ادبی سر گرمیوں کے ذریعے لینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

سب سے پہلا قابلِ ذکر امر منٹو کا افسانہ "بابو گوپی ناتھ" ہے۔ منٹو کا یہ افسانہ ایک کرداری افسانہ ہے جس کا مرکزی کردار انسان دوستی کی مثال ہے۔ جب یہ افسانہ پہلی دفعہ شائع ہوا تو ترقی پسند مصنفین نے اس کی بہت تعریف کی اس کو بہترین افسانہ قرار دیا گیا۔ اس کا بیان منٹو نے ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"افسانہ "بابو گوپی ناتھ" جب "ادبِ لطیف" میں شائع ہوا تو میں بمبئی میں مقیم تھا۔ تمام ترقی پسند مصنفین نے اس کی بہت تعریف کی۔ اس کو اس سال کا شاہکار افسانہ قرار دیا۔ علی سردار جعفری، عصمت چغتائی اور کرشن چندر نے خصوصاً اس کو بہت سراہا۔ "ہل کے سائے" میں کرشن چندر نے اس کو نمایاں جگہ دی۔"[۵]

اس افسانے کو سراہنے والے صرف ترقی پسند مصنفین نہیں تھے بلکہ حسن عسکری نے بھی اس افسانے کو بہت سراہا اور اس بات کا اظہار کیا کہ اس افسانے کے بعد منٹو کے بارے میں ان کی رائے میں بھی واضح تبدیلی آئی ۔ اس افسانے کو پڑھنے سے پہلے حسن عسکری منٹو کے بارے میں سطحی اور عام رائے رکھتے تھے۔ اس رائے میں تبدیلی اور افسانے کی پسندیدگی کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"بابو گوپی ناتھ" پڑھنے سے پہلے میں شاذ و نادر ہی منٹو سے ملنے جاتا تھا۔۔۔ لیکن اس افسانے سے میں ایسا متاثر ہوا تھا کہ اب میں یہ باور کرنے کو متعلق تیار نہ تھا کہ کوئی چھوٹی شخصیت کا آدمی ایسا افسانہ تخلیق کر سکتا ہے چنانچہ میں فوراً منٹو سے ملنے پہنچا اور جب ملاقات کا سلسلہ بڑھ گیا تو میں نے منٹو کو جیسا سنا تھا اس سے بالکل بر خلاف پایا۔"[۶]

اس اعتراف سے جہاں حسن عسکری کی منٹو کے بارے میں بدلتی سوچ کا پتا چلتا ہے وہاں اس بات کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ منٹو اور حسن عسکری کی باقاعدہ دوستی اور ملاقات کا سلسلہ اس افسانے کے بعد شروع ہوا۔ حسن عسکری کے اس اظہار کے ساتھ ہی منٹو کے افسانوں کے بارے میں ترقی پسند مصنفین کی رائے میں بھی تبدیلی آگئی۔ منٹو کے وہ افسانے جنھیں ترقی پسند شاہکار تصور کرتے تھے یکایک اس میں خامیاں نظر آنے لگیں جس میں "بابو گوپی ناتھ" اور "میرا نام رادھا" سرِ فہرست ہیں اس تبدیلی کا اظہار منٹو ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"بھارت اور پاکستان کے تمام ترقی پسند ممٹیوں پر چڑھ کر اس افسانے کو رجعت پسند، اخلاق سے گرا ہوا،۔۔۔ اور شر انگیز قرار دے رہے ہیں۔ یہی سلوک میرے افسانے "میرا نام رادھا" کے ساتھ کیا گیا حالانکہ جب شائع ہوا تھا تو تمام ترقی پسندوں نے اُچھل اُچھل کر اس کی تعریف و توصیف کی تھی۔"[۷]

منٹو اور حسن عسکری کے ملنے کے ساتھ ہی ادبی دنیا میں آنے والی تبدیلی کے پیشِ نظر حسن عسکری اپنی اور منٹو کی دوستی کو ادبی لطیفہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ہم دو آدمی ایک دوسرے سے کیا ملنے جلنے لگے ہر شخص اپنی جگہ یہ سمجھا کہ بس میرے خلاف محاذ قائم ہوا ہے۔ منٹو کی تعریف میں میرے دو جملے لکھنا تو اور بھی غضب ہو گیا۔"[۸]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حسن عسکری کے منٹو کے ساتھ روابط کی بدولت کیوں ترقی پسندوں نے منٹو کے افسانوں پر تنقید شروع کر دی؟ وہ کون سی سوچ تھی جس نے منٹو اور حسن عسکری کو قریب کر دیا اور ترقی پسندوں نے منٹو کو رجعت پسند قرار دے دیا؟ اس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ حسن عسکری اور ترقی پسندوں کے اختلاف کی وضاحت کی جائے۔ اس بات کا اظہار دیگر مصنفین نے کیا ہے کہ ترقی پسند تحریک پر کمیونسٹ پارٹی کے اثرات تھے اس حوالے سے ترقی پسند تحریک کے اہم رہنما احمد علی کا بیان قابلِ ذکر ہے:۔

"۱۹۳۷ء کا واقعہ ہے۔ ترقی پسند تحریک پر سجاد ظہیر اور محمود الظفر حاوی ہو گئے تھے۔ ان میں ڈاکٹر عبدالعلیم بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے ترقی پسند تحریک کو روس کی کمیونسٹ پارٹی کے مینی فیسٹو پر چلانا شروع کر دیا۔"[۹]

اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ترقی پسند تحریک پر کمیونسٹ پارٹی کے اثرات ہمیشہ سے رہے ہیں لیکن آزادی کے بعد یہ مزید نمایاں ہوتے چلے گئے اور ترقی پسند تحریک نے ادبی سے زیادہ سیاسی رنگ اختیار کر لیا۔ اب یہ سیاسی رنگ اس کے منشور میں ظاہر ہونے لگا جو ۶ دسمبر ۱۹۴۷ء[۱۰] کو منعقد ہونے والی پہلی کل پاکستانی ادیب کانفرنس میں شامل کیا گیا۔ انور سدید نے اس کانفرنس کی چند تجویزات کا ذکر کیا ہے جن میں سیاسی رنگ نمایاں تھا؛ ہندوستان اور پاکستان کا تہذیبی اشتراک اردو کو پاکستان میں ذریعۂ تعلیم بنانے کی ضرورت، امن، آزادی، جمہوریت اور اور اقلیتوں کا تحفظ جیسے نقاط قابلِ ذکر ہیں۔[۱۱] حسن عسکری نے اس کانفرس اور اس میں پیش کی جانے والی تجویزات کو پاکستان کے لیے غیر موافق گردانتے ہوئے ردِ عمل ظاہر کیا اور اس کے پس پردہ محرکات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی۔ اس کانفرس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ترقی پسندوں نے پاکستان کے ادیبوں کی کانفرنس کے نام سے ایک اجتماع کر ڈالا جس کا خاص مقصد یہ تھا کہ پاکستان میں جمہوری عناصر کو تقویت پہنچائی جائے۔"[۱۲]

حسن عسکری نے ان جمہوری عناصر کی وضاحت سجاد ظہیر کے کشمیر کے متعلق نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر کی۔ اپنے مضمون میں سجاد ظہیر کا بیان شامل کیا جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ جمہوریت پسند وہی ہے جو کشمیر کے مسئلے میں انڈیا کی حمایت کریں۔ سجاد ظہیر کے الفاظ درج ذیل ہیں جنھیں حسن عسکری کے مضمون سے نقل کیا جا رہا ہے:۔

"موجودہ حالات میں ہر ایماندار شخص سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ انڈین یونین کی حکومت کے تمام اقدامات کی حمایت کرے گا جو کشمیری عوام کی امداد کے سلسلے میں کیے جا رہے ہیں ۔۔۔ کشمیر کی سرزمین پر ہندستان کی فوجیں ایک جمہوری نصب العین کے لیے لڑ رہی ہیں۔"[۱۳]

سجاد ظہیر کے ان الفاظ سے حسن عسکری نے اس جمہوریت کی وضاحت کی ہے جس کی ترویج انڈین کمیونسٹ پارٹی پاکستان میں چاہتی تھی اور اس مقصد کے لیے ترقی پسند مصنفین کو استعمال کرنا چاہتے تھی۔ حسن عسکری نے اس مقصد کو عیاں کرنے کے ساتھ پاکستانی مصنفین کے رویوں پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"اگر مسلمان ادیب پاکستان سے محض بے تعلق ہی رہتے تب بھی غنیمت تھا۔ مگر کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض ادیب غیروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن جانے کو بھی تیار رہتے تھے۔"[۱۴]

یہاں کٹھ پتلی سے مراد پاکستان کے وہ مصنفین ہیں جو انڈیا کی ترقی پسند تحریک کی طرف سے طے شدہ تجاویزات کو بغیر یہ سوچے قبول کرنے پر آمادہ ہیں کہ یہ پاکستان کے ساتھ موافقت نہیں رکھتیں۔ اس ردِ عمل کو تحریک کی صورت دے کر حسن عسکری نے "پاکستان کی ادبی تحریک" کی علمبرداری کی اور وطن سے نسبت اور اسلامی نظریات کو نئے یعنی پاکستانی ادب کے لیے ضروری تصور کیا۔ ترقی پسند مصنفین نے اس ردِ عمل کو اپنے اوپر حملہ قرار دیا اور ظہیر کاشمیری (۱۹۱۹ء۔ ۱۹۹۴ء) نے اس مضمون کی صورت میں تحریر کیا:۔

"اس (حسن عسکری) نے یہ تو کہہ دیا کہ ترقی پسند مصنفین پاکستان کے وفادار نہیں، لیکن وہ خود یہ نہ سمجھا سکا کہ پاکستان سے اس کی کیا مراد ہے اور وفاداری کے سیاسی معنے کیا ہوتے ہیں۔۔۔ اگر پاکستان سے عسکری کی مراد محض ایک خطہ زمین ہے تو اس کی وفاداری زمانہ جہالت کی یادگار ہے۔"[۱۵]

ظہیر کاشمیری نے اس بیان میں حسن عسکری کو واضح طور پر حکومت کا وفادار اور رجعت پسند قرار دیا ہے۔ فتح محمد ملک نے اس بات کی تصدیق کی ہے کی حسن عسکری کی پاکستان کے حوالے سے اردو ادب کی الگ شناحت قائم کرنے کی کوشش ہی وہ عمل ہے جس کے لیے انھیں معاف نہیں کیا گیا لکھتے ہیں:

"اردو ادب کی پاکستانی شناخت کو سنوارنے نکھارنے اور خونِ جگر سے سیراب کرنے کا عزم و عمل ہی محمد حسن عسکری کی وہ خطا ہے جسے انڈین کمیونسٹ پارٹی نے کبھی معاف نہیں کیا۔"[۱۶]

ایسے حالات میں جب حسن عسکری اور منٹو نے ملنا شروع کیا اور منٹو کی سوچ میں اس تبدیلی کا ادراک حسن عسکری کو ہوا کہ منٹو وہ ادیب ہے جس نے پاکستان کو ایک حقیقت کے طور پر قبول کیا ہے اس صورت میں ترقی پسندوں کو یہ غلط فہمی لاحق ہونے لگی کہ منٹو حسن عسکری کے نظریات کے حامی ہیں۔ درحقیقت پاکستان کو تسلیم کرنا اور حسن عسکری کی تحریک کا حامی ہونا دو الگ باتیں ہیں حسن عسکری کے مطابق منٹو کا پاکستان کو قبول کر لینا ایک سچے فنکار کی شخصیت تھی نہ کہ کوئی سازش یا رجعت پسندی تھی[۱۷]۔ ترقی پسند منٹو کے انداز کو سمجھنے سے قاصر رہے اور حسن عسکری کے ساتھ منٹو کو بھی تنقید کا نشانہ بنانے لگے اس کا کھل کر اظہار اس وقت سامنے آیا جب حسن

عسکری نے منٹو کی کتاب سیاہ حاشیے پر مقدمہ تحریر کیا۔ ترقی پسندوں کے "سیاہ حاشیے" کو رد کرنے کی وجہ منٹو کے نزدیک یہی تھی کہ کیونکہ ترقی پسند حسن عسکری کا نام سیاہ فہرستوں میں درج کر چکے تھے اس لیے ایسی کتاب کو پسند نہ کیا جس کا دیباچہ حسن عسکری نے لکھا تھا۔۱۸

یہ رویہ بھی ترقی پسندوں کی تنگ نظری کی واضح مثال ہے کہ صرف اس وجہ سے کتاب کو رد کر دیا جائے کہ اس کا دیباچہ لکھنے والی شخصیت سے نظریاتی اختلاف پایا جاتا ہے۔ ترقی پسندوں کی اس تنگ نظری کا اظہار حسن عسکری کے خط بنام ڈاکٹر آفتاب احمد کی تحریر سے لگایا جا سکتا ہے جسے کی تحریر کو عزیز ابن الحسن نے ایک مقالے کے حواشی میں درج کیا ہے اس کا متن درج ذیل ہے:۔

> "سنا ہے کہ ترقی پسند تو میرا اتنے زوروں سے بائیکاٹ کر رہے ہیں کہ جن رسالوں میں میرے مضمون چھپیں گے ان میں مضمون تک نہیں لکھیں گے۔"۱۹

اس دعوے کا منھ بولتا ثبوت ترقی پسندوں کا منٹو کے ساتھ رویہ ہے۔ جن کو حسن عسکری سے دوستانہ تعلقات رکھنے کی پاداش میں پاکستانی ادب کے نظریات کا حامی جانتے ہوئے رجعت پسند قرار دے دیا گیا۔ "سیاہ حاشیے" کے دیباچے کی خبر جلد انڈیا پہنچ گئی اور علی سردار جعفری (۱۹۱۳ء۔ ۲۰۰۰ء) نے منٹو کو خط لکھ کر حسن عسکری کے منٹو کی کتاب پر دیباچہ لکھنے کی بات پر اپنی حیرت کا اظہار کیا اور حسن عسکری کے مخلص نہ ہونے کا خدشہ ظاہر کیا ۲۰۔ اس کے علاوہ علی سردار جعفری نے منٹو کی کتاب پر لکھے دیباچے پر بات کرتے ہوئے لکھا کہ وہ منٹو کی افسانہ نگاری پر مضمون لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ واضح رہے کہ آزادی سے پہلے منٹو کی افسانہ نگاری کی تحسین اور فن پر کسی نے کوئی مضمون نہیں لکھا اس کا انکشاف طاہر عباس نے ایک تحقیقی مقالے کے ذریعے کیا اور یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ

> "قیام پاکستان سے قبل منٹو کی شخصیت، فکر اور فن سے متعلق کسی بھی ناقد یا ادیب نے خصوصی انفرادی مضمون نہیں لکھا۔"۲۱

اس حقیقت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علی سردار جعفری کا منٹو پر مضمون لکھنے کے ارادے کا اظہار کرنا اور ساتھ میں اس جملے کا اضافہ کرنا کہ دقیانوسی لوگوں نے اب تک منٹو کو صرف گالیاں دی ہیں اس لیے ان سے کسی قسم کی امید وابستہ نہیں رکھنی چاہیے، یہ گمان پیدا کرتا ہے کہ ترقی پسند کسی حد تک یہ سوچ رہے تھے کہ منٹو کی حسن عسکری سے دوستی کی وجہ وہ تعریفی جملے ہیں جو حسن عسکری نے منٹو کے لیے لکھے تھے۔ علی سردار جعفری

کے اس رویے کے ردِ عمل میں منٹو نے "چغد" کے پاکستانی ایڈیشن سے جعفری صاحب کا دیباچہ خذف کر دیا۔ اس بارے میں لکھتے ہیں:۔

> "دیباچہ جیسا بھی ہے "چغد" کے پہلے ایڈیشن میں موجود ہے۔ اس ایڈیشن میں اس کو میں نے خذف کر دیا ہے۔۔۔ دراصل پچھلے دنوں بمبئی کے نام نہاد ترقی پسندوں نے میری تحریروں کے بارے میں جو بے معنی شور برپا کیا اور مجھے یک قلم "ادب باہر" کیا، اس کے پیشِ نظر میں مناسب نہیں سمجھتا کہ اس حلقے کا ایک بہت سر گرم کارکن میری "رجعت پسندی" کا دم چھلا بنا رہے۔"[۲۲]

ترقی پسندوں کو جو خطرہ تھا کہ حسن عسکری منٹو کو اپنے نظریات کے زیرِ اثر لانے کی کوشش کر رہے ہیں اور انھیں ترقی پسندوں میں انتشار پیدا کرنے کی غرض سے استعمال کر رہے ہیں اس کے سدِ باب کے طور پر علی سردار جعفری کے علاوہ احمد ندیم قاسمی (۱۹۱۶ء۔۲۰۰۶ء) نے بھی تنبیہی خط لکھا۔ احمد ندیم قاسمی نے اس خطرے کا اظہار کیا کہ عسکری فرانس کے منفیت پسندوں اور لایعنیت نوازوں سے متاثر کر کے منٹو کی روشن خیالی کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور اس کی وجہ ترقی پسند تحریک کی مخالفت ہے[۲۳]۔ منٹو کو اس غرض سے احمد ندیم قاسمی نے کھلا خط لکھا جسے ادبی رسالے "سنگِ میل" میں شائع کیا فتح محمد ملک کے مطابق وہ خط کم اور حسن عسکری کی نثری ہجو زیادہ ہے۔ احمد ندیم قاسمی کا کہنا ہے کہ خط شائع ہونے کے بعد پہلے منٹو ان سے خفا ہوئے لیکن جب منٹو نے قاسمی صاحب کے اسرار پر خط پڑھ لیا تو وہ خوش ہوئے جبکہ منٹو کی ذاتی تحریر اس بیان کی نفی کرتی ہے منٹو نے اس دکھ کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:۔

> "مجھے غصہ تھا اس بات کا کہ الف نے محض فیشن کے طور پر سقیم و عقیم تحریک کی انگلی پکڑ کے مصنوعی ابرو کے اشارے پر میری نیت پر شک کیا۔"[۲۴]

یہاں الف سے مراد احمد ندیم قاسمی ہیں جن کے منٹو کے ساتھ دیرینہ دوستانہ تعلقات تھے جن سے منٹو نے یہ بھی گلہ کیا کہ وہ کھلا خط لکھنے کی بجائے وہ خط انھیں دے بھی سکتے تھے۔ احمد ندیم قاسمی نے "سیاہ حاشیے" پر تنقید کی تو اس پر بھی منٹو نے دکھ کا اظہار کیا۔ احمد ندیم قاسمی کے کھلے خط میں اس منظر نامے کے آخری امر کے خلاف ردِ عمل بھی ظاہر ہے۔ وہ آخری امر منٹو اور حسن عسکری کے اشتراک سے شائع ہونے والا ادبی رسالے "اردو ادب" ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے رسالے کی اشاعت سے پہلے یہ خط لکھا اور کمال خوبصورتی سے منٹو پر عسکری کے نظریات کے اثر کو قبول کر لینے کا الزام لگایا ہے خط کے آغاز میں انھوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ منٹو کی شخصیت کا

کسی دوسرے پیکر میں مدغم ہو جانا ممکن نہیں ہے ۲۵۔ لیکن منٹو سے متعلق یہ دعویٰ کرنے کے بعد باقی ماندہ خط میں اپنے اس دعوے کو غلط ثابت کرتے دیکھائی دیتے ہیں جسے منٹو نے ان کی نیت پر شک کرنا قرار دیا ہے۔ ناصر عباس نیّر ترقی پسندوں کے اس دعوے کو غلط ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> "حقیقت یہ ہے کہ نہ منٹو نے عسکری کے پاکستان اسلامی ادب کے نظریے کے آگے سر تسلیم خم کیا نہ عسکری نے منٹو کے اس تصورِ انسان کو رد کیا، جو مذہب اور قومی شخصیت سے ماورا ہے۔"۲۶

احمد ندیم قاسمی کے کھلے خط کے بعد ستمبر ۱۹۴۹ء میں "اردو ادب" کا پہلا شمارہ شائع ہوا۔ اس شمارے میں دیگر ترقی پسند مصنفین کی تحاریر شامل تھیں۔ اس کے بعد ترقی پسند تحریک کے مصنفین کی کانفرنس نومبر ۱۹۴۹ء میں منعقد ہوئی جس میں ترقی پسندوں نے تنگ نظری اور رجعت پسندی کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے ایسی قرارداد منظور کروائی جس کی مثال ادبی دنیا میں کہی اور نہیں ملتی۔ کانفرنس نے ترقی پسند تحریک سے موافقت نہ رکھنے والے ادیبوں کا بائیکاٹ کر دیا جس میں حسن عسکری، قراۃالعین حیدر کے علاوہ منٹو کا نام بھی شامل تھا۔ تحریک کے اس شدت پسندانہ عمل کا اعتراف احمد ندیم قاسمی نے واضح طور پر کیا ہے اور اس بات کا اظہار بھی کیا ہے یہ انتہا پسندی کی بدولت دوست اور دشمن کی تمیز اٹھ جاتی ہے ۲۷۔ اس انتہا پسندی کا واضح اثر "اردو ادب" کے دوسرے شمارے پر ہوا جس کے مدیروں کا بائیکاٹ کیا گیا تھا اس لیے ترقی پسندوں نے اس رسالے کا بھی بائیکاٹ کیا اور اس میں اپنی تحاریر شائع کروانے کے لیے نہیں بھیجی۔ جو ترقی پسند اپنی تحاریر پہلے بھیج چکے تھے انھوں نے بھی واپس طلب کر لیں۔ اس کی ایک مثال احمد ندیم قاسمی کا خط ہے جسے منٹو نے "حقہ پانی بند" کے زیرِ عنوان اردو ادب کے دوسرے شمارے میں شامل کیا۔ اس خط کا متن فتح محمد ملک کی کتاب "منٹو ایک تعبیر" سے نقل کیا جا رہا ہے:۔

> "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ میرا وہ خط جو میں نے کوئٹہ سے لکھا تھا، اپنے رسالہ "اردو ادب" میں شائع کر رہے ہیں، میرے اس خط کی اشاعت روک لیں، جب میں نے آپ سے افسانہ طلب کیا تھا، تو ہماری انجمن (انجمن ترقی پسند مصنفین) نے ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کر رکھی تھی کہ وہ رسالے جنہیں ترقی پسند ادب کی نمائندگی کا دعویٰ ہے ایسے ادیبوں کی تحریریں شائع نہ کریں جنہیں ترقی پسند ادب کی تحریک سے اتفاق نہیں، اب یہ فیصلہ ہو چکا ہے، اور میں انجمن کے منشور، آئین اور فیصلوں کا پابند ہونے کے باعث یہ نہیں چاہتا کہ

میرا وہ خط پڑھ کر ہماری تحریک کے ہمدرد الجھن میں پڑھ جائیں، امید ہے آپ میرا خط
روک لیں گے اور اگر ایسا ناممکن ہوا تو یہ خط بھی شائع کر دیں گے ، شکریہ۔"۲۸

خط کا یہ متن ایک طرف ترقی پسندوں کے انتہا پسندی پر مبنی فیصلے کو واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے تو دوسری طرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ تحریک کے کارکن جنھیں اس بات کا دعویٰ ہے کہ وہ اس انتہا پسندی کا حصہ نہیں تھے اس پر احتجاج کرنے کی بجائے اس انتہا پسندی کے فیصلوں کو نہ صرف تسلیم کیے ہوئے تھے بلکہ اس کے پرچار میں سرگرم تھے۔ اس سیاسی رنگ کو اپنانے کے بعد سب سے زیادہ نقصان تحریک اور اس کی ادبی ساکھ کو پہنچا۔ غرض یہ کہ ۱۹۵۳ء میں مواور دوسرے مصنفین کے بائیکاٹ کو قرارداد کے نتیجے میں ختم کر دیا گیا لیکن تحریک اپنا وہ مقام دوبارہ نہ حاصل کر سکی۔

صرف ترقی پسندوں کے منٹو کا بائیکاٹ کر دینے سے ہم منٹو کو ترقی پسندوں کی فہرست سے نکال نہیں سکتے۔ اس بات کا تعین ادیب کا تحریر کردہ ادب بہتر طور پر کر سکتا ہے کہ وہ ترقی پسند ہے یا رجعت پسند ہے۔ اس تناظر میں منٹو کی ترقی پسندی کا اعتراف تو سب نے کیا ہے انوار احمد (پ: ۱۹۴۷ء) کا تحریر کردہ جملہ اس صورتِ حال کا بہترین عکاس معلوم ہوتا ہے:۔

"منٹو ہر 'مسلمہ' ترقی پسند افسانہ نگار سے کہیں زیادہ ترقی پسند تھا۔"۲۹

سعادت حسن منٹو اور حسن عسکری کے اشتراک کے نتیجے میں جو رویہ ترقی پسندوں کا رہا وہ بلاشبہ متعصبانہ اور انتہا پسندانہ ہے۔ کسی ادیب کے ترقی پسند ہونے کے لیے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ اس کا تعلق ایک ایسی تحریک سے ہو جو ترقی پسندی کے نام پر رجعت پسندی کا منھ بولتا ثبوت ہو۔ اسی طرح کسی تحریک یا ادبی حلقے کا ترقی پسند ہونا اس بات سے ثابت نہیں ہو جاتا کہ اس کی تحریک کا نام ترقی پسند ہے۔ منٹو کو صرف اس لیے رجعت پسند قرار دے دینا کہ ان کی دوستی (جو نظریاتی نوعیت کی نہیں) ایک ایسے انسان سے ہے جس کا ترقی پسند تحریک کے سیاسی نہ کہ ادبی نوعیت کے نظریات سے اختلاف ہے ترقی پسند تحریک کی تنگ نظری کا واضح ثبوت ہے۔ ایک طرف حسن عسکری سے دوستانہ مراسم کے باوجود ایک دوسرے کے نظریاتی پر اثر انداز ہونے کی کوشش نہ کرنا شخصی اور تحریری آزادی کا ثبوت ہے تو دوسری طرف منٹو کا تخلیق کردہ ادب ان کی ترقی پسندی کا ثبوت ہے۔ منٹو نے اپنی ترقی پسندی کے متعلق کہا ہے کہ:

"وہ ایک انسان ہیں اور ہر انسان کو ترقی پسند ہونا چاہیے۔"۳۰

حوالہ جات

۱۔ فتح محمد ملک، سعادت حسن منٹو ایک نئی تعبیر (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء)، ۴۴۔

۲۔ سعادت حسن منٹو، "باری صاحب" مشمولہ منٹو نما، مرتبہ نیاز احمد (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ۱۷۔

۳۔ انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں (چھٹا ایڈیشن) (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۳ء)، ۴۳۶۔

۴۔ سعادت حسن منٹو، "دیباچہ چغد" مشمولہ منٹو نامہ، مرتبہ نیاز احمد (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)، ۳۴۵۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ حسن عسکری، "منٹو کے افسانے" مشمولہ تخلیقی عمل اور اسلوب (کراچی: نفیس اکیڈیمی، ۱۹۸۹ء)، ۱۷۳۔

۷۔ سعادت حسن منٹو، "دیباچہ چغد" مشمولہ منٹو نامہ، ۳۴۵۔

۸۔ حسن عسکری، "جوابِ آں غزل" مشمولہ جھلکیاں (حصّہ اول)، مرتبہ سہیل عمر، نغمانہ عمر (لاہور: مکتبہ الروایت، س۔ن)، ۳۵۷۔

۹۔ اکرم پرویز، "منٹو تعبیر اور نام نہاد ترقی پسند"، مشمولہ منٹو تقسیم، ہجرت اور احتجاج، مرتبہ اشرف لون (لاہور: بک ٹال، ۲۰۱۹ء)، ۱۵۲۔

۱۰۔ انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں، ۴۵۵۔

۱۱۔ ایضاً۔

۱۲۔ حسن عسکری، "مسلمان ادیب اور مسلمان قوم" مشمولہ جھلکیاں (حصّہ اول)، ۳۱۶۔

۱۳۔ ایضاً۔

۱۴۔ ایضاً۔

۱۵۔ ظہیر کاشمیری، "پاکستان کے ترقی پسند ادیبوں کے نام" مشمولہ سعادت حسن منٹو ایک نئی تعبیر، ۱۰۵۔

۱۶۔ فتح محمد ملک، سعادت حسن منٹو ایک نئی تعبیر، ۵۱۔

۱۷۔ حسن عسکری، "جوابِ آں غزل" مشمولہ جھلکیاں (حصّہ اول)، ۳۵۷۔

۱۸۔ سعادت حسن منٹو، "دیباچہ چغد" مشمولہ منٹو نامہ، ۳۴۶۔

۱۹۔ عزیز ابن الحسن، "احمد ندیم قاسمی، منٹو اور حسن عسکری"، مشمولہ معیار ۶ (جولائی تا دسمبر ۲۰۱۱ء)، ۱۵۸۔

۲۰۔ سعادت حسن منٹو، "دیباچہ چغد" مشمولہ منٹو نامہ، ۳۵۶۔

۲۱۔ طاہر عباس، "قیامِ پاکستان سے قبل منٹو شناسی کی روایت" مشمولہ الماس ۱۹ (۲۰۱۷ء)، ۱۲۸۔

۲۲۔ سعادت حسن منٹو، "دیباچہ چغد" مشمولہ منٹو نامہ، ۳۴۴۔۳۴۵۔

۲۳۔ احمد ندیم قاسمی "میں نے منٹو کو کیسا پایا" مشمولہ یہاں سعادت حسن منٹو دفن ہے، مرتبہ طاہر عباس (لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء)، ۸۶۔

۲۴۔ سعادت حسن منٹو، "دیباچہ یزید: جیب کفن" مشمولہ منٹو نامہ، ۲۲۳۔

۲۵۔ احمد ندیم قاسمی "میں نے منٹو کو کیسا پایا" مشمولہ یہاں سعادت حسن منٹو دفن ہے، ۹۷۔

۲۶۔ ناصر عباس نیّر، "حسن عسکری اور منٹو کا 'اردو ادب'" مشمولہ اردو ادب حسن عسکری نمبر، شمارہ ۲۵۲ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۹)، ۴۱۔

۲۷۔ انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں (چھٹا ایڈیشن)، ۲۵۸۔

۲۹۔ فتح محمد ملک، سعادت حسن منٹو ایک نئی تعبیر، ۵۰۔

۳۰۔ انوار احمد، "سعادت حسن منٹو، برصغیر کا تخلیقی ضمیر" مشمولہ اردو افسانہ۔ ایک صدی کا قصہ (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء)، ۲۶۸۔

کتابیات

ملک، فتح محمد۔ سعادت حسن منٹو ایک نئی تعبیر۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء۔

منٹو، سعادت حسن۔ منٹو نما۔ مرتبہ نیاز احمد۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء۔

سدید، انور۔ اردو ادب کی تحریکیں (چھٹا ایڈیشن)۔ کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۳ء۔

منٹو، سعادت حسن۔ منٹو نامہ۔ مرتبہ نیاز احمد۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء۔

عسکری، حسن۔ تخلیقی عمل اور اسلوب۔ کراچی: نفیس اکیڈیمی، ۱۹۸۹ء۔

عسکری، حسن۔ جھلکیاں (حصّہ اول)، مرتبہ سہیل عمر، نغمانہ عمر۔ لاہور: مکتبہ الروایت، س۔ن۔

لون، اشرف (مرتب)۔ منٹو تقسیم، ہجرت اور احتجاج۔ لاہور: بک ٹاک، ۲۰۱۹ء۔

عباس، طاہر۔ یہاں سعادت حسن منٹو دفن ہے۔ لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء۔
نئیر، ناصر عباس۔ "حسن عسکری اور منٹو کا 'اردو ادب'"۔ مشمولہ اردو ادب حسن عسکری نمبر، شمارہ ۲۵۲ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۹ء): ۳۹۔۴۵۔
ابن الحسن، عزیز۔ "احمد ندیم قاسمی، منٹو اور حسن عسکری"۔ مشمولہ معیار ۶ (جولائی تا دسمبر ۲۰۱۱ء): ۱۴۶۔۱۵۹۔
عباس، طاہر۔ "قیامِ پاکستان سے قبل منٹو شناسی کی روایت"۔ مشمولہ الماس ۱۹ (۲۰۱۷)۔ ۱۲۳۔۱۳۰۔
احمد، انوار۔ اردو افسانہ۔ ایک صدی کا قصہ۔ فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء۔